© rasailojaraid.com

کے لیے دلیل بن سکتی تھی اگر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کسی بھی ایک غیر قریشی کو خلیفہ نامزد کرتے یا خلیفہ منتخب کرنے والی کمیٹی کا رکن بناتے بصورت دیگر ان کا کسی ایسی نامکمل بات پر خاموش رہنا دلیل نہیں بن سکتا جس کے مکمل ہونے پر خلافت کے لیے قریشیت کی شرط اور زیادہ واضح ہو کر سامنے آتی ہو۔ ایسی صورت میں بھی اس امر پر اصرار کرنا کہ غیر قریشی بھی خلیفہ بن سکتا ہے اور وہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے کم از کم ایک بات کے پہلے حصے کو تسلیم کرنے اور دوسرے کا انکار کرنے کے مترادف ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بستر مرگ پر طویل ارشاد اپنے قاری سے مطالبہ کرتا ہے کہ اسے پورے کا پورا پڑھا جائے اور سمجھ کر اس کے نتائج پر بات کی جائے۔

بیعت اور ووٹ

حکمت عملی کے بارے میں اختلاف کے باوجود مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی قریش کو خلافت کا حق دار قرار دینے کی ایک ہی وجہ پر متفق کیوں ہیں اس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کہ یہ حضرات جمہوریت کی بنیاد ــــ کہ اکثریت کا اعتماد حاصل کرنے والی پارٹی کو ہی حکومت کرنے کا حق حاصل ہے ــــ کو اسلامی بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔ مولانا اصلاحی تو واضح الفاظ میں لکھتے ہیں کہ "جس طرح جمہوری نظاموں میں ملک کی اکثریت کا اعتماد رکھنے والی پارٹی کو حکومت بنانے کا حق دار سمجھا جاتا ہے اسی طرح قریش کو ان کی دینی خدمات اور ان کے عام معتمد ہونے کی بنا پر خلافت کا حق دار قرار دیا گیا۔" (اسلامی ریاست ص۵۵) یعنی یہ حضرات بیعت اور ووٹ کو ایک ہی نظام قرار دے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جمہوری نظام میں ووٹ کسی بھی ایک امیدوار کو دیا جا سکتا ہے جبکہ نظام خلافت میں یہ نہیں ہوتا کہ جو چاہے جس کی بیعت کرے جسے چاہے خلیفہ منتخب کرتا پھرے بلکہ اسلامی ریاست کے تمام مسلمانوں کو ایک ہی خلیفہ کی بیعت کرنی پڑتی ہے۔

ووٹ کے استعمال اور بیعت کے طریق کار میں واضح یہ فرق ہی ظاہر کرتا ہے ووٹ تو ایک حق حکومت ہے جسے اس کا حامل دوسرے کو تفویض کرتا ہے جب کہ بیعت ایک معاہدہ ہے کہ وہ خلیفہ کی مشروط اطاعت کرے گا یعنی اس کی بیعت کسی کو خلیفہ نہیں بناتی بلکہ وہ بنے ہوئے خلیفہ[1]

[1] جسے یا تو خلیفہ اپنا جانشین نامزد کرتا ہے یا پھر بعض ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل (باقی اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی اطاعت کا معاہدہ کرتا ہے جب کہ ووٹ دیتے وقت یہ تصور ذہن میں نہیں ہوتا جسے ووٹ دے رہا ہے اس کی اطاعت کا معاہدہ نہیں کر رہا ہوتا ہے ورنہ اس کی اطاعت کا رخ کامیاب امیدوار کی طرف کبھی نہ ہوتا جسے اس نے ووٹ ہی نہیں دیا۔

بیعت اور ووٹ کے درمیان فرق کے بارے میں اختصار کے ساتھ جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے بیعت اور ووٹ کو ایک سمجھنے والے بھی بخوبی آگاہ ہیں بلکہ ہمارے معاشرے میں تو ایسے اہل علم بھی موجود ہیں جو یہ تک بھی کہتے سنائی دیتے ہیں کہ "بیعت اور ووٹ ایک ہی چیز نہیں لیکن اب ہماری عادت ووٹ کی ہو گئی ہے تاہم اب یہ ہو سکتا ہے کہ ووٹوں کے ذریعے پہلے کسی کو منتخب کر لیا جائے اور بعد میں اس کی بیعت کر لی جائے"۔

مغربی پاکستان کے سابق ایڈوکیٹ جنرل اور ممتاز قانون دان خالد اسحٰق صاحب نے ایک ہی سانس میں تین متضاد باتیں ارشاد فرمائی ہیں کیونکہ بیعت اور ووٹ اگر ایک چیز نہیں تو ان دونوں کو بیک وقت کیسے بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ وہ جنھوں نے ہارنے والے امیدوار کو ووٹ دیئے ہیں کامیاب امیدوار کی بیعت کیوں اور کیسے کریں گے۔ اکثریت کا فیصلہ درست کی بات کی جائے، تو یہ ضروری نہیں تین امیدواروں کو مجموعی طور پر ملنے والے ووٹوں سے زیادہ ووٹ کامیاب امیدوار کو ملے ہوں! سب سے بڑھ کر بیعت کسی کی مشروط یا غیر مشروط اطاعت کا معاہدہ کرنا ہے جب کہ ووٹ کسی کو اختیار بلکہ اقتدار سونپنا ہے۔ ووٹ دینے کے بعد بھی کیا کسی ووٹر کے پاس کوئی اختیار رہ گیا ہے کہ وہ چار یا پانچ سال کی بجائے چار یا پانچ دنوں سے بھی کم مدت میں ہارنے والے امیدوار کو دیا گیا ووٹ یعنی اقتدار واپس لے کر اب دوسرے امیدواروں کی اطاعت کا وعدہ کرتا پھرے۔

پروفیسر خورشید احمد بھی جناب خالد اسحٰق کی طرح ووٹ یا انتخابات کو ایک عادت قرار دیتے ہیں ان کا موقف یہ ہے کہ "ہمارے لیے انتخابات کے اس نظام کو ترک کرنا انتہائی مشکل ہوگا۔ جس کے دنیا کے دوسرے ممالک اور خاص طور پر اسلامی ممالک عادی ہو چکے ہیں تاہم اس نظام میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دسے جاتا ہے جو اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ مقرر کرتی ہے جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کیا اور ان کے اس تعامل پر عمل کرنا مسلمانوں کا فرض ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تبدیلیاں کی جاسکتی ہیں۔ اس وقت مستحسن طریقہ یہ ہے کہ موجودہ طرزِ انتخاب کو ایک عادت یا رسم کے طور پر اپنا لیا جائے اور جو تناقض اس میں اسلامی تعلیمات کے سلسلے میں ہے وہ بتدریج دور کر دیا جائے۔ لیکن جہاں تک انتخابی طریق کار اور اسلامی تعلیمات کے درمیان موجود تناقض کو دور کرنے کا تعلق ہے وہ ان ہی عوامل کو جواز کی سند بخشنے کے معاملے میں زندہ دل ہی نہیں دریا دل ثابت ہوئے جو انتخابی سیاست اور اسلام کے نظام سیاست کو یکسر متضاد اور مختلف بنا دیتے ہیں۔ یہ انوکھا فلسفہ کس امر کی غمازی کرتا ہے اس سلسلے میں کچھ کہنے کی بجائے پروفیسر خورشید کا ہی یہ ارشاد پڑھیے۔" انتخابات کا عمل کسی نہ کسی طریقے سے ہماری زندگی کی ایک عادت رہی ہے اور زندگی کے دیگر پہلوؤں کی طرح اس میں بھی کچھ خامیاں ہیں لیکن اس کے باوجود ہر وہ کوشش جو انتخابات کے نظام کو معطل یا موخر کرنے کے لیے کی جائے گی وہ دراصل اسلام کے شورائی نظام میں رکاوٹیں ڈالنے کے مترادف ہو گی۔"

اصل مسئلہ وہی ہے جس کا اظہار یہ کہہ کر کیا گیا ہے کہ" اب ہماری عادت ووٹ کی ہو گئی ہے۔" اس "عادت" کا علاج تو یہ ہے کہ وہ بیعت یا ووٹ سے جس نظام کو چاہے اختیار کرنے نہ کہ عقل سے عداوت مول لینے کا شغل جاری رکھے۔ ایسی عادت کو تبدیل کرنے بلکہ دوسرے الفاظ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کو عادت بنانے کا درس دینے کے لیے اللہ کی طرف سے کتاب کی صورت میں تعلیم نازل ہوئی اور رسولؐ مبعوث ہوئے۔ اب یہ فیصلہ ہم نے کرنا ہے کہ اپنی ہی عادت پر عمل کیا جائے یا تعلیماتِ الٰہیہ اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ہی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کو عادت بنا لیا جائے۔ لیکن خدا کی بستی میں یہ عمل خدا ترسی اور خدا خوفی سے قطعی منافی ہو گا کہ کوئی شخص اپنی عادت کو اسلامی ظاہر کر کے من مانی کرتا پھرے یہ عمل تو بسم اللہ واللہ اکبر پڑھ کر اسلام کے کسی اصول یا نظریہ کا خون کرنے کے مترادف ہے۔ اس صورت میں یہ دعویٰ بھی جچتا نہیں کہ "عربی زبان کے متعدد الفاظ کے کئی معانی ہیں اور یہ مطالب و معانی ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں جن کی بنیاد پر اکثر غلط فہمی کا احتمال رہتا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ الفاظ کی تشریح میں پس منظر اور صحت کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے اور بات واضح کر دی جائے، کسی قسم کا بہانہ یا غلط فہمی باقی نہ رہنے دی جائے۔"

© rasailojaraid.com